eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

صائمہ اقبال
لیکچرار، شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
سلمان فارسی
اسکالر، ایم۔فل گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

Saima Iqbal
Lecturer, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
Salman Farsi
Scholar M.Phil, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad

اردو ادب میں آپ بیتی۔ایک جائزہ

Autobiography In Urdu Lterature: An Analysis

Abstract

The narration of the events of one's life is called "autobiography". It can also be called autobiography. Personal and practical experiences express his views on the emotional aspects of life and life as a whole. The author sometimes mentions external, political, economic and social factors that have ever affected him Who played an important role in determining a particular aspect of his life. But it is not necessary that all these elements be present equally and necessarily in every biography. In this article an overview of biographies written in Urdu literature is presented.

اپنی زندگی کے احوال و واقعات کا بیان ''آپ بیتی'' کہلاتا ہے۔اسے خود نوشت (Autobiography) بھی کہہ سکتے ہیں۔ آپ بیتی محض احوال و واقعات کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ اکثر اوقات لکھنے والے کی داخلی کیفیتوں، دلی احساس، شخصی اور عملی تجربوں زندگی کے جذباتی پہلوؤں اور بحیثیت مجموعی زندگی کے بارے میں اس کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہے۔ مصنف بعض اوقات ان خارجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی عوامل کا بھی ذکر کرتا ہے۔ جو کبھی اس پر اثرانداز ہوئے یا جنہوں نے اس کی زندگی کا ایک خاص رُخ متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مگر یہ ضروری نہیں ہر آپ بیتی میں یہ تمام عناصر یکساں اور لازمی طور پر موجود ہوں۔ لکھنے والا اپنے مزاج، افتادِ طبع اور اندازِ فکر و نظر کے مطابق آپ بیتی میں بعض پہلوؤں کو نمایاں کرتا اور اُبھارتا ہے اور بعض پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ سرسری انداز میں بیان کرتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے الفاظ میں سب سے اچھی آپ بیتی وہ ہوتی ہے جو کسی بڑے دعوے کے بغیر بے تکلف اور سادہ احوال زندگی پر مشتمل ہو۔

آپ بیتی مختلف عناصر کے تحت لکھی جاتی ہے۔ بیشتر لکھنے والوں کا مقصد اصطلاحی اور اخلاقی ہوتا ہے۔ مصنف چاہتا ہے کہ قارئین میرے تجربات ومشاہدات کی روشنی میں اپنی زندگی کو بہتر اور مفید بنائیں۔ اس کے برعکس بعض آپ بیتیاں محض یادگار اور دلچسپی کی خاطر لکھی جاتی ہیں۔ آپ بیتی کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً

ا۔ سفر نامہ: جس میں کسی خاص سفری مواد اور سفر کے دوران میں پیش آنے والے واقعات کو بیان کیا جائے۔ سفر نامے میں ذاتی تاثرات کے ساتھ خارجی احوال، قدرتی مناظر، مختلف علاقوں اور ممالک کے حالات وغیرہ بھی بیان کئے جاتے ہیں۔

۲۔ رپورتاژ: یہ فرانسیسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اطلاع یا خبر دینے کے ہیں۔ مصنف اپنے سفر کے مشاہدات اور پیش آمدہ واقعات کو بیان کرتا ہے۔ رپورتاژ میں زندگی کے خارجی پہلوؤں کے ساتھ داخلی کیفیات بھی قلم بند کی جاتی ہیں۔ رپورتاژ کے اندازِ بیان میں قدرے جدت اور ادبیت ہونی چاہیے۔

۳۔ روزنامہ: بعض لوگ روزنامچے میں اپنے روز مرہ مشاہدات، تجربات، احساست اور واقعات لکھتے ہیں۔ روزنامچے کے تاثرات میں کہیں کہیں تبصرہ بھی شامل ہوتا ہے۔ یہ بھی آپ بیتی کی ایک شکل ہے۔ روزنامچے کو بعض اوقات ڈائری کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ خطوط اور خود نوشت تعارف وغیرہ میں بھی آپ بیتی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ''نقوش'' کا آپ بیتی نمبر ایسی ہی تحریروں سے مرتب واخذ کیا گیا ہے۔ بظاہر تو سوانح عمری (Biography) اور آپ بیتی (Autobiography) میں صرف صیغے (person) کا فرق ہے مگر دونوں مزاجاً ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سوانح عمری کسی فرد یا شخصیت کی زندگی کا مکمل، مفصل اور جامع مرقع ہوتا ہے۔ سوانح نگار کو تنقید وتبصرے سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ مدلل مداح ہو سکتا ہے اور ایک غیر جانبدار مبصر بھی۔ مگر آپ بیتی لکھنے والے کو زیادہ مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے کھلے بندوں کوئی دعویٰ آسان نہیں ہوتا۔ وہ اپنے منہ میاں مٹھو بن سکتا ہے اور نہ اپنی انا کو اپنی ذات سے جدا کر سکتا ہے۔ سوانح کے برعکس آپ بیتی کے لئے ضروری نہیں ہوتا کہ وہ مکمل ہو اور لکھنے والے کی شخصیت کا پورا احاطہ کرے۔

عین ممکن ہے کہ آپ بیتی لکھنے والے کی زندگی کے محض کسی ایک پہلو یا چند محدود پہلوؤں کو اُجاگر کر ہو سکے۔ آپ بیتی کئی اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ دلچسپی کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو آپ بیتی بس اوقات داستان اور ناول وافسانے سے بھی زیادہ پُر لطف ہوتی ہے۔ افادی اعتبار سے آپ بیتی نگار کے مشاہدات وتجربات بڑے سبق آموز اور عبرت خیز ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک مورخ آپ بیتی کے ذریعے ایک خاص ماحول کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ ایک سوانح نگار کے لئے آپ بیتی سب سے قیمتی اور مستند لوازمے (Matter) کی حیثیت رکھتی ہے جس کے ذریعے وہ کسی شخص کی داخلی کیفیات اور اس کی شخصیت کے مختلف تہوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ علمی وادبی نقطۂ نظر سے ایک اچھی آپ بیتی پڑھ کر ہم ایک معیاری ادب پارے سے لطف اندوزی کے ساتھ ساتھ تاریخ وسیاست، اخلاق ونفسیات اور تہذیب ومعاشرت کا علم بھی حاصل کرتے ہیں۔

انگریزی ادب میں آپ بیتیوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ اُردو ادب آپ بیتی سے تہی دامن تو نہیں مگر اچھی آپ بیتیوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔ آپ بیتی کے ذخیرے میں کمی کی سب سے بڑی وجہ غالباً مشرق کا روائتی انکسار ہے۔ وہ لوگ بھی جو زندگی میں فی الواقع بعض اہم کارنامے انجام دیتے ہیں۔ آپ بیتی لکھنے سے محض اس لئے باز رہتے ہیں کہ اس میں خود ستائشی کا پہلو نکلتا ہے۔ تاہم دور حاضر میں آپ بیتی کی طرف کچھ توجہ کی جانے لگی ہے اور بعض بلند پایہ آپ بیتیاں منظر عام پر آچکی ہیں۔

نسبتاً معروف، نمایاں اور مفصّل آپ بیتیوں میں مولانا محمد جعفر تھانیسری کی "تواریخ عجیب عرف کالا پانی"، ظہیر دہلوی کی "داستانِ غدر" حسرت موہانی کی "قید فرنگ"، چودھری فضل الحق کی "میرا افسانہ"، ابوالکلام کی "تذکرہ" رضا علی کی "نامۂ اعمال" حکیم احمد شجاع کی "کوں بہاظ"، مولانا عبدالرزاق کانپوری کی "یادِ ایام"، مرزا فرحت اللہ بیگ کی "یادِ ایام عشرت فانی" سید ہمایوں مرزا کی "میری کہانی میری زبانی"، عبدالمجید سالک کی "سرگزشت"، شاد عظیم آبادی کی "شاد کی کہانی شاد کی زبانی"، رشید احمد صدیقی کی "آشفتہ بیانی میری"، دیوان سنگھ مفتون کی "ناقابلِ فراموش"، ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی "یادوں کی برات"، ملّا واحدی کی "میرے زمانے کی دلی" مولانا حسین احمد مدنی کی "نقشِ حیات"، جوش ملیح آبادی کی "یادوں کی برات" سر ظفر اللہ خاں کی "تحدیثِ نعمت" اور احسان دانش کی "جہانِ دانش" (۱۹۷۳ء) کلیم الدین احمد کی "اپنی تلاش میں"، گوپال متل کی "لاہور کا جو ذکر کیا"، مشتاق احمد خاں کی "کاروانِ حیات"، مرزا ظفر الحسن خاں کی "ذکر یار چلے"، سبط حسن کی "شہر نگاراں"، شورش کاشمیری کی "بوئے گل نالہ دل دودِ چراغ محفل" اور "پسِ دیوارِ زنداں" اہم ہیں۔ جوش اور احسان دانش کی آپ بیتیاں ادبی اعتبار سے بلند ہیں اور دلچسپی کے نقطۂ نظر سے دیوان سنگھ مفتوں کی آپ بیتی بہترین ہے۔ جوش کے ہاں بناوٹ، مبالغے اور ریاکاری کی مثالیں ملتی ہیں۔ جب کہ احسان دانش نے بڑے بے لاگ طریقے سے اپنی زندگی کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ "تذکرہ زنداں" (پروفیسر خورشید احمد) اور ہمہ یاراں دوزخ صدیق سالک ایام اسیری کی روداد یں ہیں۔

ان مستقل آپ بیتیوں کے علاوہ مختلف رسائل و جرائد میں متعدد مشاہیر کی طویل اور مختصر آپ بیتیاں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان میں سے بیشتر کئی کئی اقساط میں چھپنے کے باوجود نامکمل ہیں۔ جن فضل احمد کریم فضلی، ملک نصر اللہ خاں عزیز، شان الحق حقی، زیڈ اے سلہری، قدرت اللہ شہاب، ضمیر جعفری اور الطاف گوہر کی آپ بیتیاں قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی آپ بیتی "افکار" میں بالا قساط چھپ چکی ہیں "نقوش" کا آپ بیتی نمبر مختلف اور متفرق آپ بیتیوں کا خوبصورت اور ضخیم مرقع ہے۔ "مٹی کا دیا" مرزا ادیب کی آپ بیتی ہے۔ آپ بیتی کی ایک شکل وہ ہوتی ہے جسے غیر انسانی آپ بیتی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس میں مختلف پرندوں، جانوروں، درختوں، پودوں اور بے جان اشیاء غرض انسان کے علاوہ ہر ذی روح، نباتات اور جمادات وغیرہ کی آپ بیتیاں شامل ہیں۔

آپ بیتی بنیادی مباحث:

علم کو ہم اپنی سہولت کے لئے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک علم وہ ہے جس کا تعلق خارجی دنیا سے اور دوسرا علم وہ ہے جس کا تعلق خود انسان کی ذات کے ساتھ ہے۔ خارجی علم اپنی ذات کے مقابلے میں وسیع تر ہے۔ اپنی ذات کے علاوہ یا اپنی باطن کی دنیا کے علاوہ ظاہر میں جو کچھ نظر آتا ہے۔ وہ سب خارجی عالم کے دائرے میں آتا ہے اور اس کے مقابلے میں جب فرد اپنی ذات کا تجزیہ کرتا ہے تو اسے اپنا آپ تو ایک معمولی حقیر سے لگنے لگتا ہے۔ لیکن جب فرد اپنے باطن کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے تو یہی حقیر سی ذات اپنی جگہ ایک عالم کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ ایک ایسا عالم جو خارجی عالم سے زیادہ حقیقی اور ناقابلِ ادراک ہے۔ اپنی روح کی گہرائیوں میں ڈوب کر اگر کوئی موتی نکال بھی لائے تو دنیا کے بازار میں اس کی قدر و قیمت آسان نہیں ہے۔ آپ بیتی جسے انگریزی زبان میں (Auto Biography) کہتے ہیں، ایک ایسا فن ہے جس کے تحت فنکار اپنی ذات سے وابستہ واقعات و حوادث کو اس طریقے سے پیش کرتا ہے جس سے پڑھنے والے کی فکر و نظر کے کئی دروازے کھل جاتے ہیں۔ مختلف اُردو لغات میں اس کے مختلف مفاہیم متعین کئے گئے ہیں، جیسے اپنا ماجرا، اپنی سرگزشت، اپنی رام کہانی،[۱] خود نوشت سوانح حیاتیا جسے خود ہی لکھا گیا ہو[۲] اپنی کہانی کہا گیا یا پھر

اپنا حال، خود نوشت حالات زندگی[۳] اپنے واردات یا مشاہدات زندگی، ذاتی سرگزشت اپنی کہانی[۴] خود نوشت سوانح عمری بالخصوص اشاعت کے لئے لکھی گئی تحریر[۵] اپنے مشاہدات زندگی[۶] وغیرہ اسی طرح انگریزی زبان میں اس سے مراد یہ لی گئی ہے:

"The writting of one's history , the story of one's life written by himself."[7]

اصطلاحی طور پر آپ بیتی کی تعریفیں یوں متعین کی جاتی ہیں:

(۱)"وہ تصنیف جس میں مصنف نے اپنے حالاتِ زندگی خود قلم بند کیے ہوں۔"[۸]

(۲)"مختصر لفظوں میں آپ بیتی کسی انسان کی زندگی کے تجربات، مشاہدات، محسوسات، نظریات اور عقائد کی ایک مربوط داستان ہوتی ہے جو خود اس نے بے کم و کاست اور راست راست قلم بند کر دی ہو، سے پڑھ کر اس کی زندگی کے نشیب و فراز معلوم ہوں۔ اس کے نہاں خانوں کے پردے اُٹھ جائیں اور ہم اس کی خارجی زندگی کے سوا اس کی داخلی کیفیات کے حجرے میں بھی جھانک کر دیکھ سکیں۔"[۹]

(۳)"خود نوشت سوانح حیات سے مراد کسی شخص کے اپنی زندگی کے متعلق خود لکھے ہوئے حالات ہوتے ہیں۔ خود نوشت سوانح حیات میں مصور اپنی تصویر خود بناتا ہے۔"[۱۰]

(۴)"آپ بیتی عام طور پر اپنے حالات کا نثر میں لکھنا ہے یعنی بنیادی شرائط دو ہیں۔ اوّل یہ کہ مصنف اپنے حالات خود لکھے اور دوسرے یہ کہ وہ حالات نثر میں ہو۔"[۱۱]

(۵)"آپ بیتی زندگی کے گزرے ہوئے لمحوں کی ریت کو سمیٹنے کا عمل ہے اور اس میں چاشنی اس لئے زیادہ ہے کہ اس پر لکھنے والے کی مہرِ تصدیق ثبت ہوتی ہے۔"[۱۲]

(۶)"آپ بیتی میں شخصیت کے ایسے مظاہر ملتے ہیں جن سے مصنف سے زیادہ کوئی باخبر نہیں ہوتا بلکہ زندگی کہ صدہا ایسے اسرار ہیں جن سے بیرون در کا کوئی آدمی باخبر ہو سکتا ہی نہیں۔"[۱۳]

ان لغوی اور اصطلاحی تعریفوں کی روشنی میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ بیتی میں مرکز و محور خود آپ بیتی لکھنے والے کی ذات ہوتی ہے۔ اس کا مصنف نہ صرف اپنی زندگی کے نشیب و فراز کو دائرہ تحریر میں لے جاتا ہے بلکہ جس عہد میں آنکھ کھولتا ہے۔ اس عہد کی تاریخی، سیاسی، ادبی اور معاشرتی زندگی کو بھی اپنی کہانی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ انسان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ ایک ایسا جاندار ہے جو اکیلے زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ جن دوست احباب سے ملتا ہے اور جن کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ ان سے کچھ لیتا بھی ہے اور ان کو کچھ دیتا بھی ہے۔ گویا وہ اپنے گرد و پیش کے حالات و واقعات کو اپنی آپ بیتی کا حصّہ بناتا ہے۔ یوں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک آپ بیتی نگار وہ اپنی باطن اور خارج کی داستان کو قلم بند کرتا ہے۔ خود نوشت کے بارے میں مندرجہ بالا تعریفوں پر غور کیا جائے تو جو نتائج بر آمد ہوتے ہیں ان کی بنیاد پر خود نوشت کے لئے کچھ ضروری عناصر کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ مثلاً وہاج الدین علوی اس کے چند مزید عناصر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(۱) خود نوشت کسی فرد واحد کی داستان ہوتی ہے جسے اس نے خود اپنے قلم سے تحریر کیا ہو۔

(۲) خود نوشت سوانح نگاری کا محور مصنف کی ذات ہوتی ہے۔ دوسرے اشخاص یا واقعات کا ذکر محض ذیلی اور ضمنی طور پر ہوتا ہے۔

(۳)خود نوشت سوانح میں سچائی کا عنصر ہوتا ہے۔

(۴)خود نوشت سوانح میں اس فرد واحد کے تجربات، مشاہدات اور جذبات کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے اور اس کی نفسیاتی کیفیات کا پرتو بھی دکھائی دیتا ہے۔

(۵)خود نوشت سوانح زندگی کے اہم ادوار پر محیط ہوتی ہے یعنی اس میں صاحب سوانح کی اپنی زندگی کے ہر دور کے نمائندہ واقعات ہوتے ہیں۔اس کے بچپن، جوانی اور بڑھاپے نیز اس کے عروج و زوال اور نشاط و غم کی داستان ہوتی ہے۔

(۶)خود نوشت سوانح کا فن ایک انتخابی فن ہے۔زندگی کے وسیع و عریض تجربات سے اہم اور نمائندہ نیز نتیجہ خیز واقعات کا انتخاب کر کے انہیں ایک تخلیقی مرقع میں سجایا جاتا ہے۔"(۱۴)

اُردو ادب کے حوالے سے دیکھیں تو خود نوشت سوانح حیات اردو ادب کی وہ تخلیقی صنف ہے جو کسی بھی فرد واحد کی زندگی کے اہم ادوار پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کے قلم کی رہین مند ہوتی ہے جس کے ذریعے اس مصنف کی داخلی اور خارجی زندگی کا عکس براہِ راست نظر آتا ہے اور ساتھ اس کا عہد بھی جلوہ گر ہوتا ہے۔

کسی بھی قوم کے اجتناعی شعور مجموعی ذہنی حالت کا اندازہ اس کے افراد کے بارے میں پسند یا ناپسند سے لگایا جاسکتا ہے کیونکہ ادب آسمان سے نہیں اُترا بلکہ اس کا مرکز و محور خود معاشرہ اور معاشرے میں رہنے والے انسان ہیں۔اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ادب ایک آئینہ ہے۔اس آئینے کا افادی پہلو یہ ہوتا ہے کہ اس میں انسان اپنی حقیقی شکل دیکھ سکتا ہے۔اسی طرح فرد بھی وہی ادب پڑھنا چاہتا ہے جس میں اسے اپنا آپ دکھائی دے۔ایک عام انسان کی زندگی کی کہانی اس کی ذات تک محدود ہوتی ہے لیکن ایک بڑے آدمی میں شخصی حیثیت کے ایک سے زیادہ پہلو ہوتے ہیں۔آپ بیتی میں بھی اتنا تنوع اور رنگا رنگی ہوتی ہے جس قدر کہ ایک زندگی میں ہوتا ہے۔اس لئے اس کے کوئی بندھے ٹکے اصول نہیں۔تاہم جن خصوصیات یا شرطوں کی احتیاط اور ضرورت پیش آتی ہے۔ان کے بارے میں ڈاکٹر صبیحہ انور ان تین خصوصیات کا ذکر کرتی ہے:

(۱)سچائی (۲)شخصیت (۳)فن(۱۵)

ان کے مطابق ایک جامع اور معیاری آپ بیتی میں ان تین خصوصیات کا ہونا ضروری ہے کیونکہ سچائی، شخصیت اور فن مل کر انسانی زندگی کو متحرک اور جان دار بنا دیتے ہیں۔سچائی کا ساتھ دینا بہت مشکل کام ہے کیونکہ انسان اپنی خامیوں کو چھپانا چاہتا ہے اور بعض خامیاں تو ایسی ہوتی ہیں جن سے وہ خود ڈر جاتا ہے۔اس لئے آپ بیتی لکھنا اور ساتھ ہی ساتھ سچائی کا ساتھ دینا پُل صراط پر چلنے کے مترادف ہیں۔

الطاف فاطمہ اپنی کتاب "اردو میں فنِ سوانح نگاری کا ارتقاء" میں سچائی کی ذیل میں لکھتی ہیں:

"حقیقت نگاری بڑا مشکل کام ہے۔بالخصوص جب انسان اپنی کہانی خود لکھنے بیٹھے۔سچائی، صاف گوئی، دیانت داری اور جرأت اظہار کا زبردست امتحان ہے۔ایک اچھے آپ بیتی لکھنے والے سے اس امر کی توقع کی جاتی ہے کہ اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان اعمال و افعال کا جو اس سے سرزد ہو چکے ہیں۔اس کی ذات سے صرف اتنا ہی تعلق ہے کہ اس کے نام سے منسوب ہیں۔ورنہ اب وہ دوسروں کی امانت ہیں۔دوسرے ان سے خواہ سبق لیں یا لطف۔"(۱۶)

ڈاکٹر تحسین فراقی اپنی کتاب ''عبدالماجد دریابادی۔ احوال و آثار'' میں سچائی کی ذیل میں لکھتے ہیں:

''حقیقت نگاری بڑا مشکل کام ہے۔ بالخصوص جب انسان اپنی کہانی لکھنے بیٹھے۔''(۱۷)

خود نوشت سوانح حیات کی دوسری خصوصیت شخصیت کا اظہار ہے۔ خود نوشت سوانح میں مصنف کی ذات اور شخصیت ہی وہ محور ہوتی ہے جس کے گرد تصنیف کا تانا بانا بنا جاتا ہے۔ مصنف کی زندگی نشیب و فراز پر محیط ہوتی ہے۔ یہی نشیب و فراز اس کی زندگی کے رنگ کو کہیں شوخ اور کہیں مدہم بنا کر پیش کرتے ہیں۔ آپ بیتی اپنی ذات کا نقش ہے۔ اس لئے ہر آدمی اپنے بعد بھی اپنا وجود کسی نہ کسی صورت میں دیکھنا چاہتا ہے۔ ایک جامع اور معیاری خود نوشت سوانح حیات میں زندگی دھڑکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بالکل اسی کی طرح جس میں زندگی حقیقت کے اس لباس میں بے حجاب فطری انداز میں آ کھڑی ہوتی ہے جیسی کہ وہ ہوتی ہے۔

یہی سادگی اور معصومیت حسن ہے اور حسنِ زندگی کی ایک بڑی حقیقت ہے۔ آپ بیتی لکھنے والے کو اپنے ذوق اور پسند و ناپسند کا تذکرہ ضرور کرنا چاہیے کیونکہ اس سے قارئین کو مصنف کے مزاج کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ادب کا مواد انسانی تجربات، ذہنی کیفیت، افکار و اقدار نظریات و عقائد اور ذہنی و جذباتی مواد ہے اور یہ ادب خلا میں نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کا مرکز و محور خود انسان کی زندگی ہے اور اس کی شخصیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے خود نوشت لکھنے والے کی زندگی کے اہم ادوار اور حالات و واقعات ہی اس کا مواد ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر صبیحہ انور اپنی کتاب ''اردو میں خود نوشت سوانح حیات'' میں اس حوالے سے لکھتی ہیں:

''اس صنف میں مواد خود اپنی ذات سے پیدا ہوتا ہے۔ خود کو زہ و خور، کوزہ گر، خود ہی مجرم، خود گواہ، خود ہی جج۔''(۱۸)

اسی طرح آپ بیتی میں شخصیت کے اظہار کی غرض و غایت کا ذکر کرتے ہوئے وہ مزید لکھتی ہیں کہ آپ بیتی میں اس حوالے سے چند باتیں ضروری ہیں:

(۱) ''اپنے حالات سے دوسروں کو روشناس کرانا۔''

(۲) اپنی شخصیت اور کردار کی اہمیت کا مرقع پیش کرنا۔

(۳) اپنی ذات پر گزرنے والے حالات و واقعات اور تجربات سے دوسروں کو روشناس کرانا اور کسی عام غلط فہمی کا ازالہ کرنا۔

(۴) اپنے حالات اگر ایسے ہیں جس میں محنت کر کے غیر معمولی ترقی حاصل کی گئی ہے تو دوسروں کو اس کی ترغیب دلانا۔

(۵) اپنے زمانے کے سیاسی، سماجی، ادبی حالات کو اپنے زاویہ نگاہ سے پیش کرنا اور اپنی زندگی کے آدرشوں کی تبلیغ کرنا۔

(۶) اپنے ہم عصروں سے تعلقات واضح کرنا اور ان کے اعمال اور افعال پر تنقید کرنا۔''

آپ بیتی کی تیسری اہم خصوصیت اس کے فنی ضابطے ہیں۔ فن اظہارِ ذات کا دوسرا نام ہے اور ڈاکٹر اسلم انصاری اپنی کتاب ''تکلمات'' میں خود نوشت کے فن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

کہ نوشت سوانح حیات کا تعلق ہمارے داخلی جذبات و احساسات سے ہوتا ہے۔اس لئے اسے فن کی اعلیٰ اقدار میں شامل کیا جا سکتا ہے۔کیونکہ غلطیوں کے اعتراف سے جو ندامت ہوتی ہے وہ گناہوں کو اس طرح دھو دیتی ہے۔جس طرح بارش کے بعد درختوں کے پتے دُھل کر صاف ستھرے ہو جاتے ہیں اور اعتراف کرنے والے کی روح پاکیزہ ہو جاتی ہے۔اس لیے آپ بیتی میں ایک عرفانی رنگ بھی ملتا ہے۔

"خود نوشت سوانح نگاری ایک فن ہے جس کے بغیر کوئی بھی انسان اپنے سوانح زندگی کے قلم بند کرنے کے تقاضوں سے عہد برا نہیں ہو سکتا۔قدرتی طور پر ایک ادیب اپنے حالات زندگی کو بہتر انداز میں بیان کر سکتا ہے۔بہتر انداز سے مراد حقائق و واقعات کی تعداد و مقدار بھی ہے اور اندازِ بیان کی صحت و قدرت بھی۔"(۱۹)

وہاج الدین علوی اپنی کتاب "اُردو خود نوشت فن و تجزیہ" میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"خود نوشت نگار کو واقعات کے اظہار کے لئے وہی زبان استعمال کرنی پڑتی ہے جو اس کے مافی الضمیر کو بجا طور پر ادا کر سکے گا۔چونکہ زندگی کے بہت سے واقعات اور جذبات ایسے ہوتے ہیں جن کا اظہار ایک مخصوص اسلوب میں ممکن ہوتا ہے جو اس موقعہ کے لئے ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔یہی سبب ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک ہی خود نوشت میں اسالیب کا تنوع پایا جاتا ہے جو فنِ خود نوشت کا تقاضا بھی ہے۔"(۲۰)

ڈاکٹر پرویز پروازی اپنی کتاب "پس نوشت پس پس نوشت" میں رقم طراز ہیں:

"کسی خود نوشت کے پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونے یا ادبی لحاظ سے دقیع یا غیر دقیع ہونے کا بیش تر انصار اس کے اسلوب پر ہوتا ہے۔"(۲۱)

زندگی ہر دور اور عمر کا ہر حصّہ اپنا مخصوص تہذیب و تمدن رکھتا ہے۔اس کے بنیادی خدوخال تو صدیوں کے بعد تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر فروعی چیزیں ہر دور اور ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہیں۔ان کی نشان دہی عام کتابیں نہیں کر سکتیں کیونکہ یہ تاریخی کتابیں معلومات تو فراہم کر دیتی ہیں لیکن عام سے عام انسان کے میلانات و رجحانات کو بیان کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔اس سلسلے میں معیاری اور اہم آپ بیتیاں ہماری مدد کرتی ہیں کیونکہ ان کی مدد سے ایک قوم، ایک ملت اور ایک ملک کی تہذیب و ثقافت کی ابتداء اور عہد بہ عہد ہونے والی ترقی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔اس لئے خود نوشت سوانح حیات کو آپ بیتی ہونے کے ساتھ ساتھ جگ بیتی بھی ہونا چاہیے کیونکہ انسان خلا میں نہیں رہتا۔وہ اپنے ارد گرد کے ماحول اور لوگوں سے متاثر بھی ہوتا ہے۔اور ان کو متاثر کرتا بھی ہے۔پروفیسر آل احمد سرور اپنی آپ بیتی "خواب باقی ہیں" کے دیباچے میں اس حوالے سے بتاتے ہیں:

"آپ بیتی جگ بیتی بھی ہے کیونکہ اپنی زندگی میں ایک فرد اپنے خاندان، ماحول، علمی اداروں، تحریکوں، شخصیات، تہذیبی، ادبی معاشرتی اور سیاسی حالات سے دوچار ہوتا ہے۔ان سے بہت کچھ لیتا بھی ہے اور شاید تھوڑا بہت دیتا بھی ہے۔"(۲۲)

مولانا غلام رسول مہر اپنے مضمون "آپ بیتی کی اہمیت" میں اسی ضمن میں اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ بیتی کا ایک خاص پہلو میرے نزدیک خصوصی توجہ کا محتاج ہے یعنی ذاتی حالت کے علاوہ عہد اور ماحول کی تصاویر کے مرقعے جن سے ہر بالغ نظر مصنف کی تحریر یقیناً مزین ہو گی۔یہ کسی دوسرے مرقعے کسی دوسری جگہ مل نہیں سکتے۔"(۲۳)

ریحانہ خانم اپنے مضمون "آپ بیتی کیا ہے" میں آپ بیتی کے انتخابِ واقعات کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"زندگی بھر کے چھوٹے بڑے واقعات اور حالتوں میں سے مناسب چیزیں تحریر کی جائیں۔ زندگی جتنی طویل ہے اگر ہر طرح کی باتیں اور اتنی ہی زیادہ ویسے کی ویسے دکھائی جائیں تو تصنیف بھی زندگی کی طرح طویل ہو جائے گی اور یہ طوالت بار کی حد تک جا پہنچے گی۔"(۲۴)

اسی ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر اپنی کتاب "نظر اور نظریہ" (منتخب مقالات) میں لکھتے ہیں:

"آپ بیتی میں بیان کرنے کے لئے واقعات کے انتخاب میں سلیقے کے فقدان سے آپ بیتی اُس بدمزہ سالن میں تبدیل ہو جاتی ہے جس میں پھوہڑ عورت نے نسبت و تناسب کے بغیر تمام مصالحے ڈال کر اپنی دانست میں لذیذ ہنڈیا پکائی ہو۔"(۲۵)

خود نوشت سوانح حیات کسی بھی ہیئت اور موضوع و مواد کی پابند نہیں ہوتی کیونکہ مصنف کی اپنی ذات ہی اس کا مرکز و محور ہوتی ہے۔ اُردو ادب میں ہمیں دو طرح کی خود نوشتیں ملتی ہیں۔ ایک نظم اور دوسری نثر کی صورت میں۔ منظوم خود نوشتوں سے قطع نظر اردو ادب میں جس قدر بھی اعلیٰ درجے کی خود نوشت لکھی گئی ہیں۔ وہ نثری اسلوب میں ہیں۔ وہاج الدین علوی کے خیال میں خود نوشت کی مختلف اقسام اس طرح بیان کی جا سکتی ہیں:

۱۔ مکمل خود نوشت:

ایسی خود نوشتوں میں زندگی کے مختلف ادوار اپنی امتیازی خصوصیات کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔ جس میں صاحب سوانح کی زندگی کے خاص واقعات، حالات زندگی، افکار و اقدار، جذبات و احساسات، نفسیاتی کیفیت اور اس کے تجربات، مشاہدات سب کچھ ہوتا ہے۔ اُردو ادب میں احسان دانش کی "جہانِ دانش" اس زمرے میں آتی ہے۔

۲۔ نامکمل خود نوشت:

ایسی خود نوشت مصنف کی زندگی کے کسی خاص دور کی کہانی پر مشتمل ہوتی ہے جس میں وہ اپنی زندگی کے چند واقعات اور کارناموں کی طرف اشارہ کر دیتا ہے جس سے اس کے نصب العین اس کے شدید جذباتی المیے اور کارناموں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً جعفر تھانیسری کی "کالا پانی"، چودھری افضل حق کی "میرا افسانہ" اور ظہیر دہلوی کی "داستانِ غدر" اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہیں۔

۳۔ مختصر خود نوشت:

ایسی خود نوشتوں میں مصنف اپنی ذات سے متعلق ضروری اور اہم معلومات فراہم کر دیتا ہے۔ اس میں خاندانی حسب و نسب اردو گرد کے ماحول کے تذکرے کے علاوہ تاریخ پیدائش اور دیگر اہم تاریخوں کا اندراج ہوتا ہے۔

۴۔ طویل خود نوشت:

ایسی خود نوشتیں کئی کئی جلدوں پر محیط ہوتی ہیں جس میں مصنف کی زندگی کو من و عن بیان کیا جاتا ہے۔ معمولی سے معمولی بات بھی اس میں شامل ہوتی ہے۔

۵۔ مکتوباتی خود نوشت:

خطوط اظہار ذات کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں جس میں اس کی زات کہ کہیں شوخ اور کہیں سے مدہم سے رنگ اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ غالب نے اپنی خود نوشت شائع نہیں کی لیکن اس کے خطوط میں بہت سے ایسے عناصر ملتے ہیں جو ایک خود نوشت سوانح حیات میں پائے جاتے ہیں۔

۶۔ سوانحی ناول:

سوانحی ناول میں نہ کردار اور نہ ہی واقعات فرضی ہوتے ہیں بلکہ ان کا تعلق بیان کرنے والے کی ذات سے ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کردار و واقعات حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ جن کو مصنف افسانوی تکنیک میں پیش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں قراۃ العین حیدر کی کتاب "کارِ جہاں دراز ہے" کا نام لیا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے اپنی زندگی اور اپنے خاندان کے حالات اور افراد کو ناول کے رنگ میں پیش کیا ہے۔

۷۔ افسانوی خود نوشت:

اس میں واقعات کو کہانی کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی خود نوشت میں صاحب سوانح کا اسلوب دلچسپی کا حامل ہوتا ہے۔

۸۔ تذکراتی خود نوشت:

اس میں مختصر حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

۹۔ منظوم خود نوشت:

اس میں مصنف اپنی ذات اپنے مشاہدات اور محسوسات کو منظوم انداز میں پیش کرتا ہے۔ اردو کی شعری تاریخ پر نظر ڈالیں تو دکن میں "قطب مشتری"، "گلشن عشق" اور "علی نامہ" وغیرہ میں خود نوشت میں ہلکا سا رنگ ملتا ہے۔

۱۰۔ مذہبی خود نوشت:

مذہبی خود نوشت میں مصنف اپنے حالات زندگی کو مذہبی جوش و خروش کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اس کا بنیادی محرک خود اظہاریت کے ساتھ ساتھ تبلیغِ دین اور تحدیثِ نعمت بھی ہوتا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی کی آپ بیتی "نقشِ حیات" اسی زمرے میں آتی ہے۔

۱۱۔ سیاسی اور سماجی خود نوشت:

سیاسی اور سماجی خود نوشت میں اپنی ذات سے بڑھ کر اپنے ملک کی سیاسی، اقتصادی، تہذیبی اور معاشی زندگی کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں صاحبِ سوانح حیات کی اپنی زندگی کے غیر سیاسی نشیب و فراز نہیں ہوتے بلکہ سیاسی و سماجی حالات اور ملکی سیاست ہوتی ہے۔ سر رضا کی "اعمال نامہ" اور چودھری فضل الحق کی "میرا افسانہ" اپنے دور کی سیاسی سرگرمیوں کی اچھی دستاویز ہیں۔

۱۲۔ادبی خود نوشت:

ادبی خود نوشت میں مصنف اپنے عہد کی ادبی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی جھلکیاں پیش کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی دھیان رکھتا ہے کہ کسی بھی پہلو پر زیادہ روشنی نہ پڑے۔ وہ توازن و اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے۔ ایسی خود نوشتوں کے خالق شاعر، ادیب اور فن کار ہوتے ہیں۔ وہاج الدین علوی اپنی کتاب "اردو خود نوشت۔ فن و تجزیہ" میں لکھتے ہیں:

> "ادبی خود نوشت سے لسانی، فنی عروضی، قواعدی، شعری اور دیگر ادبی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ادبی خود نوشت ایک طرف خود نوشت نگار کا مرقع ہوتی ہے تو دوسری طرف اس میں اس دور کا ادبی، ثقافتی نیز سیاسی شعور جلوہ گر ہوتا ہے۔"(۲۶)

نفسیاتی حوالے سے آپ بیتی کا اساسی محرک نرگسیت میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ آپ بیتی میں نرگسیت کے اظہار کی جو صورتیں ملتی ہیں ان میں صرف سرِ فہرست خود ساختہ اور پسندیدہ رنگ میں مرقع ذات اپنی خوبیوں اور خامیوں کا تذکرہ مخالفین اور دشمنوں پر فتح جنسی مہمات اور خاندان پر فخر کی صورت میں ملتا ہے۔ چونکہ آپ بیتی میں مرکز و محور اپنی ذات ہوتی ہے اور اس ذات کے گرد بہت سے واقعات اور اس کا عہد گردش کرتا ہے۔ اس لئے اس کے محرکات بھی مختلف ہو سکتے ہیں، جیسے:

(۱) اپنی ذات کو پرکھنا اور اسی کا تجزیہ کرنا۔

(۲) اپنے تجربات و مشاہدات اور اپنے عہد کی تہذیب و ثقافت کو محفوظ کرنا۔

(۳) خوبصورت یادوں کے ساتھ ساتھ بُرے تجربات اور پُر ابنیادوں کا از سر نو جائزہ لینا۔

(۴) اپنے اعمال و فضائل اور اپنی برائیوں کا احتساب کرنا۔

(۵) آپ بیتی کا سب سے بڑا محرک خود سے بے ساختہ محبت ہے۔

اگر اردو ادب پر نگاہ دوڑائی جائے تو دیکھا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی صنف، صنف کہلانے کی مستحق تب ہی ہوتی ہے جب وہ بتدریج بہت سی ارتقائی منازل طے کرتی ہے۔ یہ ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد ہی اس کو صنف ادب کے دائرے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ آپ بیتی کو بیسوی صدی میں صنف ادب کا درجہ دیا گیا۔ اس سے پہلے یہ مختلف صورتوں میں مثال کے طور پر تذکرہ، خطوط، روزنامچہ، سفر نامہ اور رپورتاژ وغیرہ کی صورت میں رائج رہی۔ ڈاکٹر صبیحہ انور نے اپنی کتاب "اردو خود نوشت سوانح حیات" اور ڈاکٹر وہاج الدین علوی نے اپنی کتاب "اردو خود نوشت۔ فن و تجزیہ" میں اس حوالے سے تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر صبیحہ انور آپ بیتی اور دیگر اصناف میں پائے جانے والے فرق کی نشاندہی کرتے ہوئے وضاحت کرتی ہیں کہ روزنامچے، خطوط، سفر نامے اور رپورتاژ وغیرہ سے کسی بھی شخص کے احوال و آثار کا پتا چلتا ہے لیکن ان اصناف سے ٹھوس اور جامع معلومات حاصل نہیں کی جاسکتی کیونکہ ان اصناف میں مصنف اپنی پوری زندگی کو احاطہ تحریر میں لاتا ہے۔

روزنامچے میں مصنف اپنے روزمرہ کے زندگی کے تجربات و مشاہدات، حالات و واقعات اور احساسات کو بیان کرتا ہے۔ روزنامچہ کا محرک صرف ایک خلش ہے۔ جبکہ آپ بیتی اشاعت کے لئے لکھی جاتی ہے۔ اس میں منصوبہ بندی اور ترتیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر وہاج الدین علوی اپنی کتاب "اردو خود نوشت۔ فن و تجزیہ" میں لکھتے ہیں:

"اس میں مصنف اپنی ذات اور اپنے گرد و پیش کے واقعات کو مختصراً تاریخی صداقت کے ساتھ لکھتا ہے۔ خود نوشت سوانح نگاری محض واقعات کی کھتونی نہیں ہوتی۔ اگر روزنامچہ کو شعلۂ مستعجل کہا جاتا ہے۔ یوں خود نوشت سوانح نگاری کو آتشِ فشاں قرار دیا جاسکتا ہے۔"(۲۷)

مکتوب نگاری خطوط آپ بیتی کی ہی ایک صورت ہے۔ خط و کتابت ایک فطری اور بے تکلف طریقہ اظہار ہے جس میں انسان اپنے حالات و خیالات کو سچے اور سیدھے سادے طریقے سے ظاہر کرتا ہے۔ خطوط انسان کی حقیقی شکل و صورت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک صورت سفر نامہ کی ہے۔ سفر نامے میں سفر کے دوران آنے والے واقعات کو بیان کیا جاتا ہے۔ سفر نامے میں ذاتی تاثرات کے ساتھ ساتھ خارجی احوال و قدرتی مناظر مختلف علاقوں اور ممالک کے حالات اور ان کی تہذیب و تمدن وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

الطاف فاطمہ "اردو میں فنِ سوانح نگاری کا ارتقاء" میں لکھتی ہیں:

"یہ صاحب سوانح کے اپنے نئے نئے تجربات اور معلومات کا مجموعہ ہوتے ہیں البتہ ان کے مطالعے سے مصنف کے اپنے رجحانات، ذوق، پسند اور زاویہ نگاہ سے واقفیت ہوتی ہے۔"(۲۸)

اصناف نثر ہو یا نظم کوئی بھی صنف ہر اعتبار سے مکمل نہیں۔ ہر صنفِ ادب بیک وقت خوبیوں اور خامیوں پر مشتمل ہوتی ہے کیونکہ جہاں اچھائی ہو گی وہاں برائی بھی ہو گی وہاں خامی بھی ہو گی کیونکہ دنیا خیر اور شر کا مجموعہ ہے۔ آپ بیتی کے محاسن و معائب پر نظر ڈالتے ہوئے آپ بیتی کی خوبیوں میں سے اہم کو بی اور خومی بھی سچائی ہے۔ مشتاق احمد یوسفی اپنی کتاب "زرگزشت" میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"آپ بیتی میں ایک مصیبت یہ ہے کہ آدمی اپنی بڑائی آپ کرے تو خود ستائی کہلائے۔ ازراہ کسر نفی جھوٹ موٹ اپنی بُرائی کرنے بیٹھ جائے تو احتمال یہ ہے کہ لوگ جھٹ یقین کر لیں گے۔"(۲۹)

آپ بیتی کی سب سے بڑی صفت سچائی ہے لیکن آپ بیتی لکھتے وقت لوگ سچائی کا ساتھ نہیں دیتے کیونکہ لوگ آئینہ دیکھنے سے ڈرتے ہیں۔ آئینہ آپ کی شخصیت کو من و عن بیان کرتا ہے۔ مشفق خواجہ اپنے کالم "سچا جھوٹ یا جھوٹا سچ" میں اس حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

"آپ بیتی شاید لکھی ہی اس لئے جاتی ہے کہ جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کیا جائے تا کہ لکھنے والے کی عظمت کا سکہ پڑھنے والوں کے دلوں پر بیٹھے قطع نظر اس کے سکے کھوٹے بھی ہوتے ہیں۔"(۳۰)

ڈاکٹر صبیحہ انور وضاحت کرتے ہوئے یوں متوجہ کرتی ہیں:

"آپ بیتی کی حیثیت ایک فن پارے کی ہے جو پھولوں کی خورد و جھاڑی نہیں ہے۔ آپ بیتی کو پھولوں کے صحیح انتخاب کے بعد چابک دستی سے بنایا ہوا گلدستہ ہونا چاہیے۔"(۳۱)

آپ بیتی کے ایک اور افادی پہلو سے انکار ممکن نہیں۔ مورخ اور سوانح نگار کی پھیلائی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے اور کسی بھی معاملے کی صحیح حقیقت تک رسائی کے لئے آپ بیتی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور آپ بیتی اس حوالے سے ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مثلاً تاریخ، سوانح حیات اور آپ بیتی اگر کسی ایک خاص دور سے متعلق ہو اور ان کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو قاری آسانی کے ساتھ ساتھ موازنہ کر کے حقائق تک رسائی ممکن بنا سکتا ہے۔ آپ بیتی ایک اعتبار سے انسان کے بڑھاپے کی دستاویز ہوتی ہے اور یہ زمانہ زیادہ پختگی کا ہوتا ہے۔ آپ بیتی تقریباً پچاس ساٹھ برس گزر

جانے کے بعد تخلیق کا روپ اختیار کرتی ہے۔ اس میں ایک عہد کی تہذیب و ثقافت، نظریات و عقائد لوگوں کے میلانات و رجحانات، سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات وغیرہ کی خوب صورت تصویریں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ آپ بیتی اپنے پیش کردہ واقعات کے جہاد میں۔۔ جاتا ہے اور اپنے اصل موضوع سے بھٹک جاتا ہے۔ بہت دور تک کسی انجانی راہ رو کے ساتھ چلنے کے بعد اس کو احساس ہوتا ہے کہ وہ غلط راستے پہ نکلا ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص، ادیب، شاعر یا فن کار وغیرہ کا ذکر آیا تو اس کے محاسن و مصائب پر ڈھیروں صفحے سیاہ کر دیئے اور پھر احساس ہوا کہ وہ تو اپنی ذات کو بیان کر رہا تھا۔ یہ خالی اردو خود نوشت نگاری میں بہت عام ہے۔ خود نوشتوں میں ایک اور خامی جو کہیں نہ کہیں نظر آتی رہتی ہے۔ وہ ان میں من گھڑت مواد میں معاشقوں کے دوش بدوش روحانی تجربات اور کشف و کرامت کا ذکر ہے۔ بعض خود نوشتوں میں معاشقوں کا اتنی کثرت سے ذکر ہوا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ زندگی میں معاشقوں کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ جوش ملیح آبادی کی خود نوشت "یادوں کی برات" اسی ضمن میں آتی ہے۔ من گھڑت مواد کے حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری اپنی کتاب "بلا جواز کچھ اپنے بارے میں" لکھتے ہیں:

> "سوانح نگاری کی پوری زندگی دوسروں کی نظر میں معمول کی زندگی رہی ہے اور اس کی شخصیت میں کبھی کشف و الہام کی علامات و آثار نہیں آئے پھر سوانح نگار اپنی روحانیت کے ایسے محیر العقول واقعات بیان کرتا ہے کہ پڑھنے والا فی الواقع حیران رہ جاتا ہے۔"(۳۲)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری آپ بیتی کے ایک اور نمایاں عیب کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بعض اوقات اس میں ضمیر متکلم کا صیغہ یعنی "میں" کا لفظ اتنی کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے کہ قاری کو میں میں کی تکرار سے الجھن ہونے لگتی ہے۔ خود نوشت سوانح نگار نہ جانے کیوں یہ بات بھول جاتا ہے کہ وہ کسی اور کے بارے میں نہیں بلکہ جو کچھ لکھ رہا ہے اپنے بارے میں لکھ رہا ہے۔ ساری تحریر اس کے قلم سے نکلی ہے اور اسی کے علم و فکر کا نتیجہ ہے۔(۳۳)

خود نوشت سوانح عمری کے نقطہ آغاز اور اس کے ارتقاء کے حوالے سے دیکھیں تو کوئی بھی تصنیف ایسی نہیں ہے جس میں آپ بیتی کے فنی ارتقاء کا عہد بہ عہد جائزہ نہ لیا گیا ہو۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر پرویز پورازی کا نام اہم ہے جنہوں نے اپنی کتاب "پس نوشت اور پس پس نوشت" جس کی تین جلدیں ہیں، میں بیسویں اور اکیسویں صدی کی اہم آپ بیتیوں کا مختصر جائزہ لیا ہے۔ یوں تو آپ بیتی ہی پُرانی صنف ہے جتنا انسان۔ لیکن اسے باضابطہ طور پر صنف کا درجہ بیسویں صدی میں ملا۔ اس سے پہلے یہ مختلف صورتوں میں رائج رہی (جس کا ذکر ہو چکا ہے) سوانحی ادب میں خود نوشت سوانح عمری کا لفظ ۱۸۰۹ء میں استعمال میں آنا شروع ہوا۔ انگریزی ادب میں آپ بیتی کے ابتدائی نقوش کا مطالعہ کریں تو اس میں سینیٹ آگسٹین کے "اعترافات" کو پہلی خود نوشت قرار دیا جاتا ہے۔

"اعترافات" میں سینیٹ کے بچپن کے حالات کی نظر کشی، ماں کے پیار کا بیان، صداقت کی جستجو میں گناہ و ثواب اور آخر کار عیسائیت کی قبولیت کو بڑے دل نشین اور دل کش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ "Benevenuto celline" جیروم کارڈان اور مانٹین نے خود نوشت سوانح عمری کے فن کو آگے بڑھایا۔ یہ ایسے مصنف تھے جنہوں نے اپنے زندگی کو موضوع بنایا۔ ان کا بیان دل کش اور دل نشین ہے کہ قاری پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ سینٹ آگسیٹن نے اپنے باطن کی دنیا کو موضوع بنایا۔ سفینی نے خارج کو موضوع بنایا۔ اس شخص کے ہاں بے پناہ خود شناسی اور کسی حد

تک خود ستائی بھی تھی۔ دونوں مصنفین کے ہاں بیان کرنے کے لئے کچھ نہ تھا مگر خود ستائی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ کارڈان پہلے مرد کی خوبیاں یا اوصاف کو بیان کرتے ہیں اور پھر اپنی ذات کو ان اوصاف کے ساتھ منصف کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں واقعات کی ترتیب نہیں اور کہیں کہیں تخیل ان کے حقائق پر ضرور غالب آ گیا ہے مگر پھر بھی انہوں نے کسی بھی موقع پر عقل و تعقل کا دامن نہیں چھوڑا۔ اس لئے ان کے ہاں داخلی کیفیات اُبھر کر سامنے آ گئی ہیں۔

جارج بورد نے آپ بیتی اور افسانے کے فن کی آمیزش کی ہے۔ ایڈمنڈ گوس نے خود نوشت سوانح عمری اور سوانح عمری کو ملا دیا۔ اس کی تصنیف "Father and son" اسی خیالات کا مرقع بھی ہے۔ لیڈی فین شاہ کی لکھی ہوئی یادداشتیں ان کی ذاتی تجوبات کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے آپ کو ہیرو بنا کر پیش نہیں کیا اور یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ جان فلیسنڈ، اسیڈمنڈ کالے اور راج نارتھ کی کوششیں بڑی حد تک سنجیدہ اور تجرباتی ہیں۔ انہوں نے اپنے تجربات اور زندگی و شخصیت کی دکھانے کی بڑی کوشش کی ہے۔ نارتھ فورڈ کی خود نوشت سوانح عمری زیادہ تر حقائق پر مبنی ہے جس میں اس کی مذہبی زندگی، توہمات اور آرا و خیالات کی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔ آٹھارویں صدی کا نمایاں ترین خود نوشت نگار روسو (۱۷۱۲۔۱۷۷۸) ہے جو اپنی ذات کے علاوہ کسی اور کو اہمیت نہیں دیتا اور نہ ہی دوسروں کی تجویز کی ہوئی زندگی گزارتا ہے۔ اس نے اپنی زندگی اپنے اصولوں کے مطابق بسر کی اور اپنے نظریات پر پوری ثابت قدمی سے قائم رہا۔"(۳۴)

فارسی اور اردو زبان و ادب میں بھی بہت سی آپ بیتیاں لکھی گئی ہیں۔ ان سب کا بیان ایک دشوار کام ہے۔ اس لئے یہاں انتخاب سے کام لیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلی بابر کی آپ بیتی "بابر نامہ" یا "تزکِ بابری" سامنے آتی ہے۔ اس کا مصنف فطرت شناس ہے۔ وہ جزئیات نگاری سے کام لیتا ہے۔ وہ جس علاقے کا ذکر کرتا ہے وہاں کی پیداوار اور آب و ہوا، زمین کی خصوصیات اور لوگوں کے رہن سہن کے طریقوں جزئیات کے ساتھ بیان کر دیتا ہے۔ "بابر نامہ" اصل میں ترکی زبان میں تھی۔ اسے اکبر کے حکم سے فارسی میں منتقل کیا گیا۔ اس میں بادشاہ کی اپنی زندگی کی جھلکیاں، اس کے کارنامے اور اس کے علاوہ دیگر تاریخی حالات و واقعات کا بیان بھی ملتا ہے۔

> "جہانگیر نامہ یعنی "تزکِ جہانگیر" بھی ایک اہم دستاویز ہے۔ "جہانگیر نامہ" میں جہانگیر بادشاہ نے واقعات کا تسلسل قائم رکھنے کی بجائے صرف ان واقعات کو بیان کیا ہے جو اس کی شخصیت پر اثر انداز ہوئے۔ وہ جس واقعہ کے بارے میں قلم اُٹھاتا ہے۔ اسے بلا کم و کاست بیان کر دیتا ہے۔ وہ نہ تو اپنی برائیوں پر پردہ ڈالتا ہے اور نہ ہی اپنی خوبیوں کو اجاگر کرتے وقت حجاب محسوس کرتا ہے۔ بادشاہ جہانگیر نے مشاہدات اور واقعات کا ذکر سب سے زیادہ کیا ہے۔ ان دونوں بادشاہوں کی آپ بیتیوں میں خارجی حالات و واقعات کا بیان زیادہ ہے۔"(۳۵)

اردو ادب کے بڑے اور نامور شاعر میر تقی میر کی آپ بیتی "ذکر میر" فارسی زبان میں لکھی ہوئی ہے جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے کیا۔ اس میں ذاتی بیان زیادہ ہے۔ میر کا زیادہ رجحان ذاتی بیان اور انکشاف ذات کی طرف تھا۔ ان کے ہاں وارداتِ قلبی اور ذہنی کیفیات کا بیان زیادہ ہے۔ غم کے ساتھ نباہ اور اس غم کی وجوہ اور ان پر ان کے اثرات اور سب کچھ اس تصنیف میں نظر آتا ہے۔ "ذکرِ میر" میں میر تقی میر نے اپنے ذاتی حالات، واقعات اور کیفیات کے کھلے انکشاف سے کام کیا ہے۔ شاہ جہاں کے زمانے کے شاعر منیر لاہوری نے اگرچہ کوئی باقاعدہ آپ بیتی نہیں لکھی مگر

ایک خط میں بہت سے حالات اس طرح سے لکھ دیئے ہیں۔خطِ ذات کے بیان کا مرقع بن کر رہ گیا ہے۔حضرت داتا گنج بخشؒ کی تصنیف ''کشف المحجوب''میں بھی آپ بیتی ہی سے متعلق تحریریں ہیں۔(۳۶)

بیسویں صدی سے پہلے خود نوشت سوانح حیات مختلف صورتوں میں رائج رہی۔ بیسویں صدی میں اسے باقاعدہ طور پر صنف کا درجہ ملا۔اردو ادب بیسویں صدی کی اہم آپ بیتیوں میں سرفہرست خواجہ حسن نظامی کی مختصر سوانح حیات ''آپ بیتی'' ہے جو ۱۹۱۹ء میں منظر عام پہ آئی۔اس وقت ان کی عمر ۴۱ برس تھی۔یہ سوانح ان کی پوری زندگی پر محیط نہیں ہے۔خواجہ حسن نظامی پیر تھے اور ان کے مخاطب فطری طور پر مرید تھے لیکن اس سے عام قاری بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔ان کی خود نوشت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ترقی اپنی محنت اور کوشش سے کی ہے۔(۳۷)سید رضا علی کی ضخیم خود نوشت ''اعمال نامہ''۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔رضا علی نے اس کے لکھنے میں منصوبہ بندی سے کام لیا ہے۔وہ پیشے کے اعتبار سے وکیل اور سیاست دان تھے۔ادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔اپنی خود نوشت میں انہوں نے اردو و فارسی اشعار کے حوالے بھی دیئے ہیں۔انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔(۳۸)اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''مغربی ممالک میں سوانح حیات لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ بیتی کے ساتھ ساتھ جگ بیتی بیان کی جاتی ہے۔دنیا میں واقعات کا سلسلہ بعض اوقات ایسا مربوط ہوتا ہے کہ اپنی کہانی صرف اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے۔جب وہ دوسروں کے حالت بھی درج کئے جائیں۔''(۳۹)

یوسف حسین خاں کی آپ بیتی ''یادوں کی دنیا''۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔اس میں مصنف نے اپنے عہد کی تجربات و رجحانات اور تاریخ و تہذیب کو بھی موضوع بنایا ہے۔اُنہوں نے اپنے خاندانی حالات کو بڑی تفصیل سے بیان کی ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے یادوں کی دنیا میں جگر مراد آبادی، مولوی عبدالحق، عبد الماجد دریا بادی، جوش ملیح آبادی، فانی بد ایونی وغیرہ جیسی شخصیات پر اظہار خیال کیا ہے۔گوپی چند نارنگ اپنی کتاب ''بیسویں صدی میں اردو ادب''میں لکھتے ہیں:

> ''یہ خود نوشت ان کی شخصیت کردار اور نفسیات کو سمجھنے میں بہت ہی معاون ہے۔ان کا اندازِ بیان سادہ ہے۔ان کی زبان پر روہیل کھنڈ کے اثرات واضح ہیں۔اس میں جذبے کا خلوص اسلوب کی ندرت اور واقعات کا دل نشین بیان ملتا ہے۔''(۴۰)

جوش ملیح آبادی کی خود نوشت سوانح حیات ''یادوں کی برات''۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔اس میں انہوں نے خاندانی حالات و واقعات کو بیان کیا ہے۔وہ خود نمائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔انہوں نے اپنی آپ بیتی میں اٹھارہ معاشقوں کا ذکر کیا ہے۔اس کے علاوہ ان کی آپ بیتی میں کوٹھوں اور مجروں کا بھی تفصیلی بیان ملتا ہے۔جوش کے عقائد اور مذہبی نظریات پر بھی تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔ہجرت اور پاکستان آنے کے بعد جوش کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ان کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔جوش کے اسلوب کے بارے میں گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ''اس کی نثر پر شاعرانہ چھاپ ملتی ہے۔اس میں قافیوں، تشبیہوں، استعاروں، تراکیب اور ہم وزن الفاظ کا استعمال بھی اکثر ہوا ہے۔واقعات کے بیان میں جزئیات نگاری سے کام لیا گیا ہے اور لفظوں کے ذریعے اکثر خوبصورت پیکروں کی تخلیق کی گئی ہے۔''(۴۱)

رشید احمد صدیقی کا شمار صفِ اوّل کے مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔ رشید احمد صدیقی کی آپ بیتی "آشفتہ بیانی میری" ۱۹۷۲ء میں لکھی گئی۔ رشید احمد صدیقی کی یہ آپ بیتی ان کی شخصیت، ذہنی و فکری رجحانات، ان کا عہد اور ان کے ماحول اور معاشرے کا خوبصورت امتزاج پیش کرتی ہے۔ جس کے آئینے میں اس دور کی ادبی اور تہذیبی فضا کی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات رعایتِ لفظی، قول محال اور طنز ہیں۔(۴۲) احسان دانش کی خود نوشت سوانح حیات جہانِ دانش ۱۹۷۵ء میں لکھی گئی۔ احسان دانش کی زندگی جن مشکلات اور زندگی کے نشیب و فراز سے گزری ہے۔ اس کو انہوں نے بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے اور اپنی زندگی جس طرح انہوں نے گزاری اسے من و عن تحریر کیا ہے۔ اس خود نوشت میں دبے اور کچلے غریب محنت کش عوام کی زندگی کی سچی تصویر دیکھنے کو ملتی ہے۔ احسان دانش کا تعلق محنت کش طبقے سے ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے طبقے کی عکاسی پر زور دیا ہے بلکہ انسانی نفسیات کا گہرا مشاہدہ بھی ان کی آپ بیتی کا خاصا ہے۔

منظر نگاری اور جزئیات نگاری ان کے اسلوب کی خصوصیات ہیں۔ چونکہ احسان دانش شاعر بھی تھے۔ اس لئے ان کی نثر پر بھی شاعرانہ اسلوب کی چھاپ نمایاں ہوتی ہے لیکن یہ چھاپ قاری پر گراں نہیں گزرتی بلکہ اسے مسحور کر دیتی ہے۔(۴۳) مشتاق احمد یوسفی کی ایک آپ بیتی نما تصنیف "زرگزشت" ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی بلکہ یہ کتاب ان کی پوری زندگی کو احاطہ تحریر میں نہیں لاتی۔ اس میں ۱۹۵۰ء کے بعد کے حالات کا بیان ہے۔ مشتاق احمد یوسفی نے طنز و مزاح کا سہارا لے کر ایسی ایسی باتیں بیان کی ہیں کہ جن کو سنجیدہ پیرائے میں بیان کرنا محال تھا۔ ان کا یہ اندازِ بیان ان کی خود نوشت کو سوانحی ادب کی تاریخ میں ایک افسانے کی حیثیت رکھتا ہے اور انفرادیت بھی عطا کرتا ہے۔(۴۴) پروفیسر آل احمد سرور اپنے حالاتِ زندگی اور زندگی میں جن نشیب و فراز سے گزرے ان کو بیان کرتے ہوئے غیر ضروری تفصیلات سے بھی کام لیتے ہیں جو قاری پر گراں گزرتی ہے۔

اس کے علاوہ پروفیسر آل احمد سرور نے ادبی مجلسوں کالجوں کے مباحثوں، مشاعروں کی تفصیلات کو بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور نے اپنی کتاب آپ بیتی میں وقتاً فوقتاً اپنے اشعار کو استعمال بھی کیا ہے۔ آل احمد سرور "خواب باقی ہیں" کے حرفِ آغاز میں لکھتے ہیں:

> "آپ بیتی جگ بیتی بھی ہے کیونکہ اپنی زندگی میں ایک فرد اپنے خاندان، ماحول، علمی اداروں، تحریکوں، شخصیات، تہذیبی، ادبی اور معاشرتی حالات سے دوچار ہوتا ہے۔ ان سے بہت کچھ لیتا ہے اور شاید تھوڑا بہت ان کو دیتا بھی ہے۔"(۴۵)

قدرت اللہ شہاب کی آپ بیتی "شہاب نامہ" ۱۹۹۰ء میں منظر عام پر آئی۔ اس میں انہوں نے ان واقعات، مشاہدات اور تجربات کو بیان کیا ہے جنہوں نے اسے متاثر کیا اور ان واقعات و مشاہدات اور تجربات کو انہوں نے بے کم و کاست بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر پرویز پروازی اپنی کتاب پس نوشت اور پسِ نوشت میں "شہاب نامہ" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "میں نے اسے خود نوشت کے زمرے سے دو وجہ سے خارج کیا ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ اس میں شہاب صاحب کی سوانح حیات کے بنیادی نکات سامنے نہیں آتے۔ مثلاً سوانح حیات میں زندگی کے حالات و کوائف کا بیان کم از کم ضروری ہوتا ہے۔ شہاب صاحب نے انہیں بصیغہ راز ہی رکھا ہے۔ دوسرا اس کا انداز شروع ہی سے افسانوی ہے۔ اس لئے اسے فکشن اور فلیپ مجموعہ فکشن قرار دیا جا سکتا ہے۔"(۴۶)

یوں دیکھیں تو آپ بیتی ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس ذیل میں انسان نہ صرف اپنے عہد کو سمیٹتا ہے بلکہ اپنی ذات کے ذروں کو سمیٹ کر ایک نکتے پر جمع کر دیتا ہے۔ خود نوشت سوانح حیات کی اہمیت و افادیت سے انکار ممکن نہیں کیونکہ اس کا مستقبل اس وقت تک روشن ہے جب تک انسان میں اپنی ذات کے وسیلے سے کائنات کو سمجھنے کا تجسس موجود ہے۔ بیسویں صدی کی اہم آپ بیتیوں میں چند نمایاں ترین یہ ہیں۔

(1) خواجہ حسن نظامی آپ بیتی ۱۹۹۱ء(54)

(۲) اختر حسین رائے پوری گردِ راہ ۱۹۲۰ء(۵۵)

(3) رضا علی۔ اعمال نامہ، ۱۹۴۳ء(۵۶)

(۴) شوکت تھانوی، مابدولت، ۱۹۴۲ء(۵۷)

(5) عبدالمجید سالک، سرگزشت، ۱۹۹۳ء(۵۸)

(۶) عبدالماجد دریابادی، آپ بیتی، ۱۹۷۸ء(۵۹)

(7) عتیق صدیقی، یادوں کے سائے، ۱۹۷۴ء(۶۰)

(۸) کلیم الدین احمد، اپنی تلاش میں، ۱۹۷۸ء(۶۱)

(۹) ہوش بلگرامی، مشاہدات، ۱۹۵۵ء(۶۲)

(۱۰) یوسف حسین خاں، یادوں کی دنیا، ۱۹۰۷ء(۶۳)

(۱۱) مشتاق احمد یوسفی، زرگزشت، ۱۹۷۰ء(۶۴)

(۱۲) احسان دانش، جہانِ دانش، ۱۹۹۵ء(۶۵)

(۱۳) پروفیسر آل احمد سرور، خواب باقی ہیں، ۱۹۹۴ء(۶۶)

(۱۴) سید ذوالفقار علی بخاری، سرگزشت، ۱۹۹۵ء(۶۷)

(۱۵) مرزا ادیب، مٹی کا دریا، ۱۹۸۴ء(۶۸)

(۱۶) شہرت بخاری، کھوئے ہوؤں کی جستجو، ۱۹۸۷ء(۶۹)

(۱۷) کشور ناہید، بُری عورت کی کتھا، ۱۹۹۳ء(۷۰)

(۱۸) شورش کاشمیری، بوئے گل نالہ دل دودِ چراغ محفل، ۱۹۷۲ء(۷۱)

(۱۹) انتظار حسین، چراغوں کا دھواں، ۱۹۹۹ء(۷۲)

(۲۰) ڈاکٹر عبادت بریلوی، یاد عہد رفتہ، ۱۹۹۸ء(۷۳)

(۲۱) فرحت اللہ بیگ، میری داستان، ۱۹۷۰ء(۷۴)

(۲۲) رشید احمد صدیقی، آشفتہ بیانی میری، ۱۹۷۲ء(۷۵)

(۲۳) وزیر آغا، شام کی منڈیر سے، ۱۹۸۶ء(۷۶)

(۲۴) حمید نسیم، ناممکن کی جستجو، ۱۹۹۰ء(۷۷)

(۲۵) قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، ۱۹۹۰ء(۷۸)

(۲۶) دیوان سنگھ مفتون، اقابل فراموش 1957ء(۷۹)

(27) جوش ملیح آبادی، یادوں کی برات، ۱۹۷۰ء(۸۰)

(۲۸) ادا جعفری بدایونی، جو رہی سو بے خبری رہی، ۱۹۹۵ء(۸۱)

علاوہ ازیں اکیسویں صدی کے آغاز ہی میں آپ بیتیاں مسلسل چھپ رہی ہیں جن میں ڈاکٹر خالد جمیل اختر کی "تیسرا جنم"، مولانا قاضی اظہر مبارک پوری کی "کاروانِ حیات"، عبدالرحمن کی "یاد ہے سب ذرا ذرا"، ڈاکٹر عبداللہ عباس کی "اور میں پاکستان آ گیا"، سیف الدین بوہرہ کی "ایسا بھی ہوتا ہے"، ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی "میرے شب و روز"، ڈاکٹر جاوید اقبال کی "اپنا گریبان چاک"، روح افزا حیدر کی "دلی یاد آتی ہے"، احمد بشیر کی "دل بھٹکے گا"، مسعود کھدر پوش کی "خود نوشت سوانح حیات"، سردار محمد چودھری کی "جہان حیرت"، الطاف گوہر کی "گوہر گزشت"، داؤد رہبر کی "پراکندہ طبع لوگ"، ظفراللہ پوشی کی "زندگی زندہ دلی کا نام ہے"، احسان دانش کی "جہانِ دگر"، عبدالکریم عابد کی "سفر آدھی صدی کا"، خرم مراد کی لمحات، آغا ناصر کی "گم شدہ لوگ"، سعد راشد الخیری کی "آپ بیتی جگ بیتی"، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی "جگر لخت لخت"، ڈاکٹر سلیم اختر کی "نشانِ جگر سوختہ"، بشیر موجد کی "بیتے ہوئے دن کچھ ایسے ہیں"، عبداللہ ملک کی "پرانی محفلیں یاد آ رہی ہیں"، مظفر وارثی کی "گئے دنوں کا سراغ"، سجاد نقوی کی "کچھ دیر پہلے نیند سے"، محمد اعظم سبزواری کی "کچھ لمحے میرے نصیبوں میں"، وہاب اشرفی کی "قصہ بے سمت زندگی کا"، ڈاکٹر فاطمہ شاہ کی "دھوپ چھاؤں"، میاں محمد ارشد کی "مبالغہ نا مبالغہ"، مہدی علی صدیقی کی "بلا کم و کاست"، ملک مقبول احمد کی "سفر جاری ہے"، ملک معراج خالد کی "معراج نامہ"، محمد شمیم جیراج پوری کی "کچھ باتیں کچھ یادیں"، زبیدہ سلطانہ کی "تماشا گاہِ عالم"، اصغر مہدی کی "حکایتِ ہستی"، تجمل حسین کی "تجربات جو ہیں امانت حیات کی"، امام بشیر احمد رفیق کی "چند خوشگوار یادیں"، پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی "بیتے لمحوں کی چاپ"، منظور الٰہی کی "ہم کہاں کے دانا تھے"، صبیح حسین کی "داستان کہتے کہتے"، انور فاطمہ جعفری کی "بدلتے رنگ"، رشید امجد کی "تمنا بے تاب"، ڈاکٹر وزیر آغا کی "شام کی منڈیر سے"، انتظار حسین کی "جستجو کیا ہے" وغیرہ شامل ہیں۔

اکیسویں صدی کے ان پندرہ برسوں پر نگاہ ڈالی جائے تو جو آپ بیتیاں قارئین کی توجہ کا خصوصی مرکز بنیں ان میں کشور ناہید کی "شناسائیاں رسوائیاں"، وزیر آغا کی "شام کی منڈیر سے"، انتظار حسین کی "جستجو کیا ہے"، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی "جگر لخت لخت"، رشید امجد کی "تمنا بے تاب"، احسان دانش کی "جہانِ دگر"، ڈاکٹر سلیم اختر کی "نشان جگر سوختہ"، شیخ منظور الٰہی کی "ہم کہاں کے دانا تھے"، ڈاکٹر جاوید اقبال کی "اپنا گریبان چاک" اور ساقی فاروق کی "آپ بیتی پاپ بیتی" ادبی حوالے سے اہمیت کی حامل ٹھہریں ہیں۔

اسی طرح وہ ہر باب کا آغاز علامہ اقبال کے شعر سے کرتے ہیں۔ کہیں کہیں باب کے مندرجات کے ساتھ ان کے اشعار کی مصنوعی مطابقت کم ہی سمجھ میں آتی ہے۔ یہ خود نوشت ایک ایسے شخص کی داستان ہے جو کم سنی میں ہی باپ کے سائے سے محروم ہو گیا۔ اس کے باوجود باپ کے رفقاء کی سرپرستی حاصل رہی۔ انہوں نے اس کی پرورش میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور تمام تر بے راہ رویوں کے باوجود اس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے زمانہ جوانی سے متعلق اپنی عیش و عشرت کو بڑے مزے لے کر اپنی خود نوشت میں بیان کیا ہے اور ساتھ ہی اس دور کی تصویروں کو بھی

اپنی آپ بیتی کا حصّہ بناڈالا۔ وہ لکھتے ہیں کہ کیمبرج میں ان کا داخلہ پروفیسر قاضی محمد اسلم نے پروفیسر آریری سفارش کر کے کروایا تھا۔ سات سال میں آپ نے کیمبرجیونیورسٹی سے پی ایچ ڈی اور لندن سے بار کی ڈگری حاصل کی اور خواجہ عبدالرحیم کے ساتھ قانون کیپریکٹس شروع کر دی۔ یحیٰ خاں نے انہیں جج کے منصب پر فائز کر دیااور بھٹو نے انہیں مستقل بنایا پھر ان کے لئے ترقی کے راستے وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے۔ گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی زندگی سیاست کے میدان میں گزری جس طرح ایک سیاست دان کے لئے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کرنا مشکل ہی نہیں۔ اسی طرح کی صورتحال سے بعض اوقات بھی گزرے۔ اس خودنوشت میں ''رجال'' کے حصّہ میں بعض چونکا دینے والی باتیں بھی سامنے آتی ہیں۔

ساقی فاروقی کی ''آپ بیتی پاپ بیتی'' ۲۰۰۸ء میں منظر عام پر آئی۔ یہ اردو ادب میں ایسی خودنوشت ہے جس میں مصنف نے اپنی زندگی کے نشیب و فراز کو اختصار اور کھلم کھلا بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنی خودنوشت میں اپنے کردار اور عشق کے چرچوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ انہوں نے احوال الرجال کے سلسلے میں جن شخصیات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں اطہر نفیس، جمیل الدین عالی، عزیز حامد مدنی، حبیب جالب، فیض احمد فیض اور ن۔ م۔ راشد اس خودنوشت کا حصّہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی خودنوشت میں سادہ اور عام فہم زبان کا استعمال کیا ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے اشعار کو بلکہ دوسرے شعراء کے اشعار کو بھی اپنی خودنوشت کی زینت بنایا ہے۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی خودنوشت سوانح حیات ''جگر لخت لخت'' ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اپنی آپ بیتی ''جگر لخت لخت'' میں اپنی زندگی کے تمام تجربات ومشاہدات اور واقعات کو زمانی ترتیب سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنی آپ بیتی کو پانچ حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصّے میں انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم و تربیت، والدہ ماجدہ کی وفات، روزگار کا ابتدائی مرحلہ اور مسلم لیگ اور تحریک پاکستان میں بطور رکن وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ دوسرے حصّہ میں تحریک آزادی کے متعلق ان کی خدمات کا ذکر ملتا ہے۔ تیسرا حصّہ ''آگ اور خون کا سیلاب'' کے عنوان سے ہے۔ اس حصّے میں تحریک آزادی کے دوران مسلمان جس طرح کے حالات وواقعات سے گزرے۔ اس کا تذکرہ ملتا ہے کہ کس طرح مسلمانوں نے مالی و جانی قربانیاں دیں۔ چوتھے حصّہ میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اپنے ادھورے تعلیمی سلسلے کو دوبارہ شروع کیا اور اس طرح انہوں نے پی۔ ایچ۔ ڈی مکمل کی۔ اسی حصّے کا دوسرا عنوان ایک روحانی صدمہ ہے جس میں انہوں نے اپنی زندگی کے کچھ حزن وملال پر مبنی واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ پانچواں حصّہ سفر وسیاحت پر مبنی ہے جس میں پہلے شاہراہ قراقرم اور دوسرا وادی ہنزہ کا اسفار ہے۔ اس کے علاوہ اس میں وہ روحانی اسفار کا بیان بھی ہے۔ جن میں ایک جج کا سفر اور دوسرا قونیہ کی زیارت کا بیان ہے۔

شیخ منظور الٰہی کی خودنوشت سوانح حیات ''ہم کہاں کے دانا تھے'' ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آئی۔ اس آپ بیتی میں مصنف نے ہر چیز کو اعتدال وتوازن کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اپنے حالات زندگی، دوستوں کا ذکر اور اپنے عہد کی تصویر کشی اس حد تک کی ہے جس حد تک قاری کی دلچسپی قائم رہی ہے۔ ڈاکٹر پرویز پروازی کے نزدیک کہ چنس برسوں میں انسانیت کی سطح پر اُتر کر جو خودنوشتیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں جسٹس ہمدانی کی ''جائزہ'' منصور کاظم کی ''میری داستان''، جیون خان ''جیون دھارا'' وغیرہ نمایاں ہیں مگر شیخ صاحب کی خودنوشت ان سب سے اس طرح بھی بازی لے گئی ہے۔ انہوں نے اپنی خودنوشت میں اپنی افسریت اور حاکمیت کا ذکر تک نہیں آنے دیا حالانکہ وہ ایک صوبے کے چیف سیکریٹری رہے، وزارت عالیہ کا مزہ بھی چکھا۔ سیٹلمنٹ کے محکمہ کے سربراہ بھی رہے۔ اپنی ایمان داری اور دیانت داری کی پاداش میں وقت سے پہلے فارغ کر دیئے جانے کا دکھ بھی اُٹھایا۔ مگر ہر حال میں صابر و شاکر رہے۔ ان کی خودنوشت میں زیادہ تر ذکر ادبی لوگوں سے میل جول کا ہے۔ احوال الرجال میں بھی ادیب و شاعر

نمایاں ہیں اور سیاستدان کم تر۔ڈاکٹر پرویز پروازی اپنی کتاب "پس نوشت۔۔۔۔اردو کی خود نوشتوں کا تجزیہ "(جلد سوم)"ہم کہاں کے دانا تھے" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"یہ واحد خود نوشت ہے جس میں لکھنے والے نے دوستوں، عالموں اور ادیبوں شاعروں کو اولیت دی ہے۔"(۴۷)

مولوی محمد شفیع صاحب کی علم دوستی، جگر مراد آبادی کی باوقار شخصیت، انکساری، وضع داری پر کڑی گرفت، شاہ نامۂ اسلام کے حفیظ جالندھری، احسان دانش، جوش ملیح آبادی، عابد علی عابد، مشتاق احمد یوسفی کے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت شفیق الرحمن اور کرنل محمد خاں کے بارے میں عمدہ پیرائے میں اظہار خیال اس آپ بیتی کا حصّہ ہے۔اس آپ بیتی میں کہیں کہیں مزاح کا عنصر بھی کار فرماں ہے۔مثلاً یہ ذکر ملتا ہے کہ سر شہاب الدین نے کوئین میری کالج کو تین لاکھ روپے کا عطیہ دیا تو ان کے ابا ناراض ہو گئے۔کہا میں اس کے جنازے میں شریک نہیں ہوں گا۔لہٰذا اسے عیسائیوں کے قبرستان میں دفنا دیا۔شملہ میں آمنا سامنا ہو گیا تو سر شہاب الدین نے کہا محبوب الٰہی! تم نے کہا ہے تم میرا جنازہ نہیں پڑھو گے۔جواب ملا:

"میرا دماغ پھرا ہے کہ تین من کی لاش اُٹھانے آؤں۔"(۴۸)

ڈاکٹر پرویز اپنی کتاب "پس نوشت۔۔۔اردو کی خود نوشتوں کا تجزیہ "میں شیخ منظور الٰہی کے اسلوب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ان کی تحریر میں انوکھا بانکپن تھا۔ایجاز و اختصار ان کا امتیاز تھا۔وہ نثر بھی شعروں جیسا بانکپن پیدا کر دیتے تھے۔اس پر برمحل اردو فارسی اشعار ان کے لکھے کو صیقل کر دیتے ہیں۔"(۴۹)

یوں اکیسویں صدی میں بہت سی آپ بیتیاں منظر عام پر آئیں مگر ان پندرہ برسوں میں منظر عام پر آنے والی ایسی آپ بیتیاں بہت کم ہیں جو خود نوشت سوانح حیات کے فنی معیار پر پورا اُترتی ہوں۔کچھ لکھنے والے اپنی ذات تک ہی محدود رہے اور کچھ نے اپنی ذات سے بڑھ کر خارج کو اپنا موضوع بنایا اور اپنے باطن کو خارج میں گم کر دیا۔ظاہر ہے کہ ایسی آپ بیتیاں اپنے اندر کے عنصر کو خارج کر دیتی ہیں۔خود نوشت سوانح عمری اہم اور مشکل صنفِ ادب ہے۔اس میں گزری ہوئی زندگی کا عکس ہوتا ہے۔حالات وواقعات کا نچوڑ ہوتا ہے۔خود نوشت سوانح عمری زندگی کی اس تصویر کا نام ہے جس میں مصور اپنی زندگی کے خاتمے میں خود مختلف رنگ بھرتا ہے۔بالکل اس طرح جس طرح زندگی میں پیش آنے والے واقعات کسی اصول و قواعد کے پابند نہیں ہوتے۔اسی طرح آپ بیتی لکھنے والا بھی اور جسے چاہے لکھے جسے چاہے اپنی زندگی سے خارج کر دے۔آپ بیتی کی اسی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب تک فرد کے اندر دوسروں کے حالات وواقعات جاننے کا تجسس باقی ہے۔اس کی اہمیت بھی باقی رہے گی اور اچھی آپ بیتیاں تخلیق ہوتی رہیں گی۔

حوالہ جات

۱۔ فرہنگ آصفیہ، جلد اوّل (مرتبہ) سید احمد دہلوی، لاہور: مکتبہ حسن سہیل، ص ۹۵

۲۔ قومی انگریزی اُردو لغت (جلد چہارم) ڈاکٹر جمیل جالبی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۹ء، ص 1293

۳۔ فیروز اللغات، (مرتبہ) الحاج مولوی فیروز الدین، لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۷۸ء، ص ۳۸

۴۔ اُردو لغت تاریخی اصول، (جلد دوم) کراچی: ترقی اُردو بورڈ، ۱۹۷۹ء ص ۵۴

۵۔ اوکسفرڈ انگلش اُردو ڈکشنری، (مرتبہ) شان الحق حقی، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۲۰۰۳ء، ص ۸۱

۶۔ رافع اللغات، (مرتبہ) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، لاہور: الفصیل غزنی سٹریٹ، ۲۰۰۵ء، ص ۱۴

7. The Oxford English Dictionary "Oxford" The Clarendon Press. 1933 Vol. 1 , Pg: 573

۸۔ ابوالاعجاز صدیقی: کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص ۱

۹۔ صبیحہ انور، ڈاکٹر، اُردو میں خود نوشت سوانح حیات، لکھنؤ: نامی پریس، ۲۰۰۰ء ص ۱۸

۱۰۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور ۲۰۰۸ء، ص ۱۴۴

۱۱۔ غفور شاہ قاسم پاکستانی ادب شناخت کی نصف صدی، راولپنڈی: ریز پبلیکیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۲۸۲

۱۲۔ محمد طفیل تصریحات، (دیباچہ) مشمولہ نقوش (آپ بیتی نمبر) لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء، ص ن

۱۳۔ یوسف جمال انصاری، آپ بیتی اور اس کی مختلف صورتیں (مضمون)، مشمولہ محولا بالا، ص ۸۰

۱۴۔ ریحانہ خانم، آپ بیتی کیا ہے، (مضمون) مشمولہ نقوش (آپ بیتی نمبر) لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۶۴ء، ص ۸۴

۱۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، نئے جائزے (۱۹۷۸ء۔۱۹۸۸ء) لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۴۷

۱۶۔ وہاج الدین علوی، ڈاکٹر، اُردو خود نوشت فن و تجزیہ، دہلی: شعبہ اُردو جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۱۹۸۹ء، ص ۴۰

۱۷۔ صبیحہ انور، ڈاکٹر، اُردو میں خود نوشت سوانح حیات، ص ۳۲

۱۸۔ الطاف فاطمہ، اُردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء، کراچی: اُردو اکیڈمی، ۱۹۴۱ء، ص ۳۰۴ تا ۳۰۵

۱۹۔ تحسین فراقی، عبدالماجد دریابادی۔ احوال و آثار، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص ۴۱۵

۲۰۔ صبیحہ انور، ڈاکٹر، اُردو میں خود نوشت سوانح حیات، ص ۲۲

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۵

۲۲۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، تکلمات، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص ۸۲

۲۳۔ وہاج الدین علوی، ڈاکٹر، اردو خود نوشت فن و تجزیہ ص: ۸۲

۲۴۔ پرویز پروازی، ڈاکٹر، پس نوشت پس پس نوشت، نیازمانہ پبلیکیشنز، س ن، ص ۲۷

۲۵۔ آل احمد سرور، خواب باقی ہیں، لاہور:، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۵۴ء، ص ۵

۲۶۔ غلام رسول مہر، آپ بیتیوں کی اہمیت، ص۳۸تا۳۹

۲۷۔ ریحانہ خانم، آپ بیتی کیا ہے، ص۸۹

۲۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نظر اور نظریہ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص۱۲۸تا۱۲۹

۲۹۔ وہاج الدین علوی، ڈاکٹر، اُردو خود نوشت فن و تجزیہ، ص۵۰

۳۰۔ صبیحہ انور، ڈاکٹر، اُردو میں خود نوشت سوانح حیات، ص۱۲۹تا۱۵۸

۳۱۔ وہاج الدین علوی، ڈاکٹر، اُردو خود نوشت فن و تجزیہ، ص۱۸

۳۲۔ آنسہ الطاف فاطمہ، اُردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء، ص۳۱۹

۳۳۔ وہاج الدین علوی، ڈاکٹر، اُردو خود نوشت فن و تجزیہ، ص۲۲

۳۴۔ مشتاق احمد یوسفی، زرگزشت، مکتبہ دانیال، ۱۹۷۶ء، ص۱۱

۳۵۔ مرتبہ: مظفر علی سید، خامہ بگوش کے قلم، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۱۹۹۵ء، ص۲۶۲

۳۶۔ صبیحہ انور، ڈاکٹر، اُردو میں خود نوشت سوانح حیات، ص۳۴۹

۳۷۔ سید عبداللہ ڈاکٹر، وجہی سے عبدالحق تک، لاہور: مکتبہ خیابانِ ادب، ۱۹۷۷ء، ص۳۱۲

۳۸۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، بلاجواز کچھ اپنے بارے میں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص۳۹۵

۳۹۔ ریحانہ خانم، آپ بیتی کیا ہے، ۸۷

۴۰۔ علم الدین سالک، آپ بیتیوں کے بعض نمایاں پہلو، ص۴۲، ۴۶

۴۱۔ ریحانہ خانم، آپ بیتی کیا ہے ایضاً، ۸۷

۴۲۔ گوپی چند نارنگ، بیسویں صدی اُردو ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص۳۳۷

۴۳۔ ایضاً، ص۳۳۷

۴۴۔ سر رضا علی، اعمال نامہ (دیباچہ) لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۵ء، ص۱۴

۴۵۔ گوپی چند نارنگ، بیسویں صدی اُردو ادب، ص۳۳۸

۴۶۔ ایضاً، ص۳۳۹

۴۷۔ ایضاً، ص۳۳۹

۴۸ ایضاً، ص۳۳۹تا۳۴۰

۴۹۔ ایضاً، ص۳۴۰

References

1. Farhang Asfiya, 1st Edition, (Muratib) Syed Ahmad Dahalvi, Lahore: Maktaba Hasan Suhail, P.95
2. Qaumi Angrezi Urdu Lughat Dr. Jameel Jalibi, (4th Edtion), Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, 1999, P.1293
3. Feroz Ul Lughat, (Murtaba), Al-Haj Movli Feroz ud Din, Lahore: Feroz Sons Limited, 1978, P.38
4. Urdu Lughat Tareekhi Asool, (2nd Edition), Karachi: Taraqi Urdu Board, 1979, P.54
5. Oxford English Urdu Dictionary, (Murataba), Shan Ul Haq Haqi, Oxford University Press, 2003, P.81
6. Rafa ul Lughat, (Murataba), Dr. Farman Fateh Puri, Lahore: Al-Faisal Ghazni Street, 2005, P.14
7. The Oxford English Dictionary "Oxford" The Clarendon Press. 1933, Vol. 1 , Pg: 573
8. Abu Al-Ijaz Saddique, Kashaf Tanqeedi Istalahat, Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, 1985, P.1
9. Sabiha Anwar, Dr., Urdu Ma Khud Nawisht Sawanah Hayat, Lucknow: Nami Press, 2000, P.18
10. Rafee Uddin Hashmi, Dr., Asnaf Adab, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2008, P.144
11. Ghafoor Shah Qasim, Pakistani Adab Shanakht ki Nisf Sadi, Rawalpindi: Rez Publication, 2000, P.282
12. Muhammad Tufail Tasrehat (Dibacha), Mashmoola: Naqoosh (Ap Beti No.) Lahore: Idarah Faroogh Urdu, 1964, P.N
13. Yousaf Jamal Ansari, Ap Beti aur Is ki Mukhtalif Sortain, (Mazmoon), Mashmola: Mahola Bala, P.80
14. Rehana Khanum, Ap Beti Kya Hai, (Mazmoon) Mashmola: Naqoosh (Ap Beti No.), Lahore: Faroogh Urdu, 1964, P.84
15. Anwar Saded Dr., New Jaizay (1978-1988), Lahore: Maghribi Pakistan Urdu Academy, 1989, P.147
16. Wahaj Uddin Alvi, Dr., Urdu Khud Nawisht Fan-o-Tajziya, Dehli: Department of Urdu, Jamia Milia Islamia, 1989, P.40
17. Sabiha Anwar, Dr., Urdu Ma Khud Nawisht Sawanah Hayat, P.32
18. Altaf Fatima, Urdu Main Fan Swanah Nigari ka Irtiqa, Karachi: Urdu Academy, 1941, P.304-305

19. Tahseen Firaqi, Abdul Majid Daryabadi-Ahwal-o-Asar, Lahore: Idara Saqafat Islamia, P.415
20. Sabiha Anwar, Dr., Urdu Ma Khud Nawisht Sawanah Hayat, P.22
21. Ibid, P.25
22. Aslam Ansari, Dr., Takalmat, Lahore: Fiction House, 2000, P.82
23. Wahaj Uddin Alvi, Dr., Urdu Khud Nawisht Fan-o-Tajziya, P.82
24. Pervaiz Parwazi, Dr., Pas Nawashit Pas-e-Pas Nawisht, Naya Zaman Publications, P.27
25. Al-Ahmad Sarwar, Khawab Baqi Hain, Lahore: Fiction House, 1954, P.5
26. Ghulam Rasool Mahar, Ap Betion ki Ahmiyat, P.38-39
27. Rehana Khanum, Ap Beti kya Hai?, P.89
28. Saleem Akhtar, Dr., Nazar aur Nazariya, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2010, P.128-129
29. Wahaj Uddin Alvi, Dr., Urdu Khud Nawisht Fan-o-Tajziya, P.50
30. Sabiha Anwar, Dr., Urdu Ma Khud Nawisht Sawanah Hayat, P.129-158
31. Wahaj Uddin Alvi, Dr., Urdu Khud Nawisht Fan-o-Tajziya, P.18
32. Ansa Altaf Fatima, Urdu Main Sawanah Nigari ka Irtiqa, P.319
33. Wahaj Uddin Alvi, Dr., Urdu Khud Nawisht Fan-o-Tajziya, P.22
34. Mushtaq Ahmad Yousafi, Zargasht, Maktaba Daniyal, 1976, P.11
35. Murtaba: Muzaffar Ali Syed, Khama Bagosh Kay Qalam, Lahore: Pakistan Writers Cooperative Socity, 1995, P.262
36. Sabiha Anwar, Dr., Urdu Ma Khud Nawisht Sawanah Hayat, P.349
37. Syed Abdullah, Dr., Wajih sy Abdul Haq Tak, Lahore: Maktaba Khyaban Adab, 1977, P.312
38. Farman Fateh Pori, Dr., Bilajawaz Kuch Apne Baray Mai, Lahore: Al-Waqar Publications, 2009, P.395
39. Rehana Khanum, Ap Beti kya Hai?, P.87
40. Ilm Uddin Salik, Ap Betion Kay Baz Numayan Pehlo, P.42.46
41. Rehana Khanum, Ap Beti kya Hai?, P.87
42. Gopi Chand Narang, Besween Sadi Urdu Adab, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2007, P.337
43. Ibid, P.337

44. Sir Raza Ali, Amal Nama (Dibacha), Lahore: Fiction House, 1995, P.14
45. Gopi Chand Narang, Besween Sadi Urdu Adab, P.338
46. Ibid, P.339
47. Ibid, P.339
48. Ibid, P.339-340
49. Ibid, P.340